درس ۳

حکمت قرآنی کی اساسات

سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع کی روشنی میں

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہِ الکریم

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم ○ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿ولقد اٰتینا لقمٰن الحکمۃ ان اشکر للّٰہ............

...ان انکر الاصوات لصوت الحمیر ○﴾ (آیات ۱۲۔۱۹)

© rasailojaraid.c

مطالعہ قرآن حکیم کے جس منتخب نصاب کی تشریح ان صفحات میں قسط وار شائع ہو رہی ہے اس کا پہلا درس سورۃ العصر پر اور دوسرا آیۂ بِرّ پر مشتمل تھا۔ اب ہم اللہ کے نام سے اس سلسلے کے تیسرے درس کا آغاز کر رہے ہیں جو سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع پر مشتمل ہے۔ سورۂ لقمان مصحف میں اکیسویں پارے میں شامل ہے اور اس کا دوسرا رکوع آٹھ آیات پر مشتمل ہے۔ تو آیئے اس کا ایک رواں ترجمہ سمجھ لیں تاکہ رکوع کے مضامین بیک وقت ہماری نگاہوں کے سامنے آجائیں۔

"اور ہم نے لقمان کو دانائی عطا فرمائی کہ شکر کر اللہ کا' اور جو کوئی شکر کرتا ہے تو وہ شکر کرتا ہے اپنے بھلے کو' اور جو کوئی کفرانِ نعمت کی روش اختیار کرتا ہے تو اللہ غنی ہے (بے نیاز ہے' اور وہ آپ ہی اپنی ذات میں محمود ہے) ستودہ صفات ہے۔ اور یاد کرو جب کہ لقمان نے کہا اپنے بیٹے سے اور وہ اسے نصیحت کر رہے تھے کہ اے میرے بچے! اللہ کے ساتھ شرک نہ کیجئو' یقیناً شرک بہت بڑا ظلم اور بہت بڑی ناانصافی ہے۔ اور ہم نے انسان کو وصیت کی ہے اس کے والدین کے بارے میں۔ اٹھائے رکھا

© rasailojaraid.c

اسے اس کی والدہ نے کمزوری پر کمزوری جھیل کر' اور اس کا دودھ چھڑاتا ہے دو سالوں میں' کہ کر شکر میرا اور اپنے والدین کا۔ میری ہی طرف لوٹنا ہے۔ اور اگر وہ تجھ سے جھگڑیں اس پر کہ تو میرے ساتھ شریک ٹھہرائے جس کے لئے تیرے پاس کوئی علم نہیں ہے تو ان کا کہنا مت مان اور دنیا میں ان کے ساتھ رہ معروف طور پر' اور پیروی کر اس کے راستے کی جس نے اپنا رخ میری طرف کر لیا ہو۔ پھر تم سب کو میری ہی طرف لوٹنا ہے اور میں تمہیں بتلا دوں گا جو کچھ تم کرتے رہے ہو۔ اے میرے بچے! خواہ وہ (یعنی نیکی یا بدی) رائی کے دانے کے ہم وزن ہو خواہ وہ کسی چٹان میں ہو' خواہ آسمانوں میں ہو' خواہ زمین میں ہو' اللہ اسے لے آئے گا۔ بے شک اللہ بہت باریک بین ہے' بہت باخبر ہے۔ اے میرے بچے! نماز قائم رکھ' نیکی اور بھلائی کا حکم دے' بدی اور برائی سے روک اور پھر صبر کر اس پر کہ جو تجھ پر بیتے۔ یقیناً یہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے۔ اور اپنی گردن کو ٹیڑھا نہ کر (کج رخی اختیار نہ کر) لوگوں کے لئے اور زمین میں اکڑ کر مت چل۔ اللہ کو مغرور لوگ اور شیخی خورے بالکل پسند نہیں۔ اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر اور اپنی آواز کو پست رکھ' اس لئے کہ تمام آوازوں میں سب سے بڑھ کر ناپسندیدہ آواز گدھے کی آواز ہے۔"

اس ترجمہ سے جو باتیں بادنیٰ تأمل سامنے آتی ہیں اور خاص طور پر اس منتخب نصاب کے اسباق کی ترتیب میں جن بنیادی امور کے پیش نظر اسے درس سوم کی حیثیت دی گئی ہے' مناسب ہے کہ سب سے پہلے انہیں سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ اس طرح ہم ان شاء اللہ ان آیات کے اصل سبق اور ان کے لبِ لباب کا جائزہ لے لیں گے۔

ترجمہ سے آپ نے محسوس کر لیا ہو گا کہ ان آیات میں بھی وہی چار باتیں ایک نئے اسلوب اور ترتیب سے بیان ہو رہی ہیں جو اس سے پہلے سورۃ العصر اور آیۂ بِرّ میں آچکی ہیں۔ اس لئے کہ اصل ہدایت اور صراطِ مستقیم تو ایک ہی ہے اور اس کے سنگ ہائے میل تو وہی ہیں۔ فرق بقول شاعر صرف یہ ہے کہ ؏ "اِک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں"۔ گویا مختلف اسالیب اور متنوع انداز سے "راہِ ہدایت" کو واضح کرنا ہی قرآن کا اصل مقصد ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ ہر جگہ وہ بنیادی مضامین نہ صرف ایک نئے رنگ کے ساتھ آئے ہیں' بلکہ موضوع اور سیاق و سباق بھی بدلا ہوا ہے اور بحث بھی نئی ہے۔

© rasailojaraid.com

توحید

ذرا جائزہ لیجئے' یہاں ایمانیاتِ ثلاثہ کے ضمن میں ایمان باللہ کا ذکر بڑی وضاحت کے ساتھ آیا ہے' مثبت انداز میں بھی اور منفی انداز میں بھی! ایمان باللہ کا مثبت پہلو یہ ہے کہ اللہ کا شکر کرو' اور ایمان باللہ کا منفی پہلو یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ شرک نہ کرو۔ لہٰذا التزامِ شکرِ الٰہی اور اجتناب عن الشرک' یہ دونوں چیزیں اگر حاصل ہو جائیں تو گویا ایمان باللہ اور اس کی مطلوبہ کیفیات انسان کو بہ تمام وکمال حاصل ہو جائیں گی۔

رسالت

اس کے برعکس ایمان بالرسالت کا ذکر اس پورے رکوع میں آپ کو کہیں نہیں ملے گا۔ چنانچہ اس میں نہ کسی نبی کا ذکر ہے نہ کسی رسول کا' نہ وحی کا ذکر ہے نہ ملائکہ کا' اسی طرح کسی آسمانی کتاب کا بھی ذکر موجود نہیں ہے! اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں حکمت کی بنیادی باتیں' حکمتِ قرآنی کے بنیادی اصول ایک ایسی شخصیت کے حوالے سے بیان ہو رہے ہیں (یعنی حضرت لقمان) جو نہ نبی تھے' نہ رسول تھے' نہ ہی کسی نبی یا رسول کے امتی تھے۔ ان کے ذکر سے مقصود یہ ہے کہ اس حقیقت کو اجاگر کیا جائے کہ اگر انسان فطرتِ سلیمہ اور عقلِ صحیح کی رہنمائی میں ذہنی سفر طے کرے گا اور حقیقت کا جویا اور متلاشی ہو گا تو وہ از خود ایمان باللہ تک لازماً پہنچ جائے گا۔ لہٰذا یہاں نبوت و رسالت کا سرے سے کوئی ذکر نہیں ہے۔

معاد

البتہ ایمان بالآخرۃ جس کا اصل جوہر اور اصل مآل جزائے اعمال یا مکافاتِ عمل ہے' یعنی یہ کہ انسان کے اعمال و افعال بے نتیجہ نہیں رہیں گے بلکہ نیکی اور بدی کا بھرپور بدلہ مل کر رہے گا' تو اس کا ذکر یہاں نہایت بلیغ پیرائے میں موجود ہے۔ چنانچہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو جو نصائح کیں ان میں سے ایک اہم نصیحت یہ ہے کہ

﴿ یٰبُنَیَّ اِنَّھَآ اِنْ تَکُ مِثْقَالَ حَبَّۃٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَکُنْ فِیْ

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

صَخْرَةٍ اَوْ فِی السَّمٰوٰتِ اَوْ فِی الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ، اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ○﴾ (آیت ۱۶)

"اے میرے بچے! نیکی یا بدی خواہ رائی کے دانے کے برابر ہو اور پھر خواہ کسی چٹان میں چھپ کر کی گئی ہو، خواہ فضا کی پہنائیوں میں، خواہ زمین کے پیٹ میں گھس کر (وہ ضائع نہیں ہو گی) اللہ اس کو لے آئے گا۔ بے شک اللہ بہت باریک بین، بہت باخبر ہے۔"

یہی اصل میں ایمان بالآخرۃ کا لبّ لباب ہے کہ ع "از مکافاتِ عمل غافل مشو!" اعمال کا نتیجہ نکل کر رہے گا۔ لیکن دیکھ لیجئے کہ یہاں یوم آخر، یوم القیامہ، جزا و سزا اور جنت و دوزخ کا ذکر صراحت کے ساتھ موجود نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ امور وہ ہیں جو صرف نبوت و رسالت کے ذریعے سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ گویا یہاں ایمان بالآخرۃ کا بھی وہی پہلو مذکور ہے جس کا تعلق حکمت و دانائی سے ہے اور جس تک رسائی وحی، نبوت اور رسالت کے بغیر بھی صرف فطرتِ صحیحہ اور عقلِ سلیم کی رہنمائی میں ہو سکتی ہے!

حکمت کی اساس

واقعہ یہ ہے کہ حکمت کی اصل اساس یہ ہے کہ قلبِ انسانی میں خالق اور رب کی جو معرفت ودیعت شدہ لیکن خوابیدہ حالت میں ہے انسان اس کی جوت کو اپنے قلب و ذہن میں جگا لے۔ گویا فطرت کی صحت اور فکر کی سلامتی کا لازمی نتیجہ "شکر" ہے۔ اور سلامتیٔ عقل اور درستیٔ فکر و نظر کا حاصل یہ ہے کہ انسان اپنے پروردگار حقیقی کو پہچان لے۔ بالفاظِ دیگر حکمت کا لازمی تقاضا ہے کہ یہ جذبہ شکر اپنے اصل مالک، آقا، پالن ہار اور پروردگار کی ذات پر مرتکز ہو جائے۔ پھر یہی شکرِ الٰہی اس امر کو مستلزم ہے کہ ایسا انسان شرک سے بالکلیہ اجتناب اور توحید کا التزام کرے۔ لہٰذا لقمان حکیم نے، جن کو اللہ تعالیٰ نے دانائی اور حکمت عطا کی تھی، اپنی فطرتِ صحیحہ اور عقل سلیم کی روشنی میں "توحید" کی معرفت اور جذبۂ شکر سے سرشار ہونے کی سعادت حاصل کی۔ اسی لئے وہ اپنے بیٹے کو نہایت ہی دل نشین اور پیار بھرے انداز میں نصیحت کرتے ہیں کہ:

﴿يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ، اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ○﴾ (آیت ۱۳)

© rasailojaraid.c

"اے میرے پیارے بچے! دیکھنا کہیں اللہ کے ساتھ (اس کی ذات وصفات میں) کسی کو شریک نہ ٹھہرالینا۔ یقیناً شرک بہت بڑا ظلم اور بہت بڑی ناانصافی ہے"۔

ادائے حقوق

ہم نے دیکھا تھا کہ سورۃ العصر اور آیۂ برّ میں ایمان کے بعد اعمال صالحہ کا ذکر ہے۔ یہاں ان کے ضمن میں سب سے پہلی جو چیز سامنے آئی ہے وہ ادائے حقوق ہے اور ان میں بھی اولین ذکر والدین کے حقوق کا ہے۔ قرآن حکیم میں آپ کو کئی مقامات پر یہ اسلوب ملے گا کہ ادائے حقوق کے معاملے میں جہاں اللہ تعالیٰ کے اس حق کا تذکرہ ہو گا کہ صرف اور صرف اس کی عبادت کی جائے' شرک سے کلی اجتناب اور توحید کے کامل التزام کے ساتھ' وہاں اللہ کے اس حق کے فوراً بعد والدین کے حقوق کا بیان ہو گا۔ جیسے یہاں ہم نے دیکھا کہ حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو اجتناب شرک اور التزام توحید کی نصیحت کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا جا رہا ہے کہ

﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ.....﴾ (آیت ۱۴)

"اور ہم نے انسان کو نصیحت کی اس کے والدین کے بارے میں....."

اسی طرح سورۃ البقرۃ میں فرمایا :

﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا.....﴾ (آیت ۸۳)

"اور یاد کرو جب ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا۔"

اسی طرح سورۃ الانعام میں فرمایا :

﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾ (آیت ۱۵۲)

"(اے نبی) ان سے کہہ دیجئے کہ آؤ میں تمہیں سناؤں کہ تمہارے رب نے تم پر کیا پابندیاں عائد کی ہیں! یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو"۔

© rasailojaraid.

سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا:

﴿وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّآ اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا﴾ (آیت ۲۳)

"اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو مگر صرف اس کی اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو"۔

والدہ کا خصوصی حق

اس رکوع میں جس کا ہم مطالعہ کر رہے ہیں، والدین کے حقوق کا ذکر کر کے والدہ کے حق کو نمایاں کیا گیا اور اپنے شکر کے ساتھ والدین کے شکر کی تاکید فرمائی گئی:

﴿وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ حَمَلَتْہُ اُمُّہٗ وَھْنًا عَلٰی وَھْنٍ وَّفِصٰلُہٗ فِیْ عَامَیْنِ اَنِ اشْکُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْکَ﴾

"اور ہم نے انسان کو وصیت کی اس کے والدین کے بارے میں۔ اٹھائے رکھا اسے اس کی والدہ نے کمزوری پر کمزوری جھیل کر اور اس کا دودھ چھڑانا ہے دو سالوں میں، کہ کر شکر میرا اور اپنے والدین کا۔"

والدین کے ساتھ حسن سلوک اصل میں ایک جامع عنوان ہے اس بات کا کہ اس دنیا میں انسان زندگی بسر کرتا ہے تو اس پر بہت سے لوگوں کے حقوق عائد ہو جاتے ہیں جنہیں اسے ادا کرنے کی فکر کرنی چاہیے۔ انہیں شریعت کی اصطلاح میں "حقوق العباد" کہا جاتا ہے اور ان میں سرفہرست والدین کے حقوق ہیں، اس میں قطعاً کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ انسان پر سب سے بڑا احسان تو بلاشک و بلا ریب اللہ تعالیٰ کا ہے جو اس کا خالق ہے، مالک ہے اور پروردگار حقیقی ہے۔ لیکن اللہ کے بعد انسان سب سے زیادہ زیر بار احسان ہے اپنے والدین کا جنہوں نے اسے پالا پوسا، اپنا پیٹ کاٹ کر اسے کھلایا پلایا، اپنے آرام کو تج کر اس کے آرام کی فکر کی، اس کی تکلیف پر بے چین ہوتے رہے۔ پھر ان میں بالخصوص والدہ کا حق بہت فائق ہے۔ لہٰذا والدین کے ذکر کے بعد یہاں والدہ کا خاص طور پر ذکر آیا ہے، جس نے اسے ضعف پر ضعف برداشت کرتے ہوئے اپنے پیٹ میں اٹھائے رکھا۔ پیدائش کے بعد پھر وہ دو سال تک جونک کی طرح اس کی چھاتی سے چمٹ کر دودھ کی شکل میں اس کے

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

جسم و جان کی توانائیاں چوستا رہا اور اس نے اپنی توانائیوں کو بہترین غذا بنا کر اس کے جسم میں اتارا' لہٰذا والدین بالخصوص والدہ کے اولاد پر یہ احسانات نہایت عظیم ہیں۔ چنانچہ انسانوں کے حقوق میں سرفہرست والدین کے حقوق ہیں۔ یہاں والدہ کے حقوق کے فائق ہونے کے ضمن میں دو مشہور احادیث کا ذکر مناسب رہے گا۔

ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جنت ماں کے قدموں تلے ہے" یعنی ماں کی خدمت اور اس کے ساتھ حسن سلوک انسان کے جنت میں داخل ہونے کے ذرائع میں سے ایک اہم ذریعہ ہے۔ دوسرے یہ کہ ایک مرتبہ ایک صحابیؓ نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ "میرے حسن سلوک کا سب زیادہ مستحق کون ہے؟" تو حضورؐ نے فرمایا "تیری ماں"۔ صحابی نے پھر پوچھا "اس کے بعد؟" جواب ملا "تیری ماں"۔ صحابیؓ نے تیسری مرتبہ دریافت کیا "اس کے بعد؟" آپؐ نے پھر فرمایا "تیری ماں"۔ چوتھی مرتبہ صحابی کے سوال کے جواب میں ارشاد ہوا: "تیرا باپ"۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ باپ کے مقابلے میں ماں کا حق تین گنا فائق ہے۔

© rasailojaraid.c

ایک لطیف نکتہ

یہاں ایک نکتہ قابل توجہ ہے اور وہ یہ کہ حضرت لقمان نے وصیت کرتے ہوئے بیٹے کو اللہ کا حق تو بتا دیا کہ "اے میرے بچے! اللہ کے ساتھ شرک مت کرنا" لیکن خود اپنے حقوق کو بیان کرنا انہیں زیب نہ دیتا تھا۔ لہٰذا اس مضمون کی تکمیل اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے فرما دی اور حضرت لقمان کی نصیحتوں کے سلسلے میں ایک بات اپنی طرف سے داخل فرما دی جو والدین کے حقوق سے متعلق ہے۔ البتہ اس کے نتیجے میں ایک سوال خود بخود پیدا ہو گیا' یعنی یہ کہ اگر دونوں حقوق ایک دوسرے کے مقابل آ جائیں' اور باہم ٹکرا جائیں یعنی ایک اللہ کا حق' دوسرے مخلوقات میں سے سب سے فائق والدین کا حق' اور خود والدین اپنی اولاد کو شرک پر مجبور کریں تو اس صورت میں اولاد کیا کرے؟---- یہ ایک بالکل عملی مسئلہ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو لوگ ابتدا ہی میں ایمان لائے ان میں متعدد نوجوان بھی تھے۔ ان میں سے دو نوجوانوں حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہما کا ذکر بہت مناسب ہے۔ ان کے لئے سب سے بڑا عملی مسئلہ یہ کھڑا ہو

© rasailojaraid.c

گیا کہ ان دونوں کی والدہ مشرک تھیں۔ وہ انہیں اپنے حقوق کا واسطہ دے کر مجبور کر رہی تھیں کہ اپنے آبائی دین کو ترک نہ کرو' اس میں واپس آ جاؤ۔ ان نوجوانوں کی ماؤں نے بھوک ہڑتال اور مرن برت تک کی دھمکیاں دیں۔ اب ان سعادت مند' سلیم الفطرت اور صحیح العقل نوجوانوں کے سامنے یہ عملی سوال آیا کہ اب کیا کریں؟---- ظاہر بات ہے کہ سعادت مند اولاد کو فطری طور پر ماں باپ کے حقوق کا شعور ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے ان کے لئے ایک عملی پیچیدگی پیدا ہو گئی۔ قرآن مجید نے اسی سیاق و سباق میں آگے اس کا حل پیش کر دیا :

﴿وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا﴾

"اور اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں اس بات پر کہ تو میرے ساتھ شریک ٹھہرائے جس کے لئے تیرے پاس کوئی علم نہیں ہے تو ان کا کہنا مت مان۔"

البتہ یہ نہیں فرمایا کہ اس طرح ان کے سارے حقوق ساقط ہو گئے۔ ایسا معاملہ نہیں ہے۔ شرک پر مجبور کرنے کے ضمن میں تو ان کی حکم عدولی کی جائے گی لیکن ان کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم باقی اور برقرار رہے گا۔ چنانچہ فرمایا :

﴿وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا﴾

"اور دنیا میں ان کے ساتھ رہ معروف طور پر (یعنی بھلے طریقے سے)۔"

لیکن اس کے ساتھ ہی بارِ دگر تنبیہ کر دی گئی کہ حسن سلوک میں اتباع یعنی پیروی شامل نہیں ہے۔ پیروی صرف اس شخص کی کی جائے گی جس نے اپنا رخ اللہ کی طرف کر لیا ہو!

چنانچہ فوراً ہی ارشاد ہوا :

﴿وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ﴾

"دیکھنا اتباع کرنا اس کا جس نے اپنا رخ میری طرف کر رکھا ہو۔"

مشرک والدین کا اتباع یا ان کے نقشِ قدم کی پیروی نہ عقلاً لازم ہے نہ نقلاً واجب!

نگاہ باز گشت

الحمد للہ کہ ہم نے اب تک اس رکوع کے نصف اول یعنی چار آیات کا طائرانہ جائزہ

© rasailojaraid.com

لے لیا ہے۔ آگے بڑھنے سے پہلے آیئے کہ ان کے مضامین پر نگاہ بازگشت ڈال لیں۔ اس کی پہلی آیت میں حضرت لقمان کا تعارفی ذکر ہے۔ دوسری آیت میں ان کی نصائح کا آغاز ہوا جن میں سے اولین اور اہم ترین نصیحت اجتناب عن الشرک کی پرزور تاکید پر مشتمل تھی۔ بعد کی دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس وصیت کا اپنی جانب سے ذکر فرمادیا جو جبلی طور پر بھی انسان کی طبیعت میں ودیعت کی گئی ہے اور اس کی توثیق الہام اور وحی کے ذریعے بھی ہوئی۔ پھر اگر حقوق اللہ اور حقوق الوالدین میں ٹکراؤ ہو تو ایک موحّد کو کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے اس کی ہدایت کردی گئی۔ اس کے بعد سے پھر حضرت لقمان کی نصائح کا ذکر شروع ہوا جس میں دوسری نصیحت مکافاتِ عمل یعنی معاد سے متعلق ہے' اس کے بعد رکوع کے اختتام تک حضرت لقمان کی چند عملی نصیحتوں کا ذکر چلتا ہے۔

البتہ سورۃ العصر اور آیۃ البر کے مضامین کے ساتھ تقابل اور موازنہ کے حوالے سے بہتر ہوگا کہ مضمون مکمل ہو جائے اور چند اشارات کردیئے جائیں۔ آپ نے دیکھا کہ سورۃ العصر میں ایمان کی جامع اصطلاح اور آیۃ البر میں ایمانیات کی قدرے تفصیل مذکور تھی۔ اس کے مقابلے میں یہاں ایمان باللہ کا ذکر اللہ کے شکر اور اجتناب عن الشرک کی تاکید کی شکل میں آگیا اور ایمان بالآخرۃ کا ذکر مکافاتِ عمل کے حوالے سے بیان ہوگیا۔ پھر عمل صالح کے ضمن میں بھی سورۃ العصر میں صرف ایک جامع عنوان وارد ہوا تھا جبکہ آیۂ بِر میں عمل صالح کے تین اہم گوشوں کی تفصیل مذکور تھی۔ بعینہٖ یہی معاملہ یہاں بھی ہے حتیٰ کہ جیسے آیۂ بر میں انسانی ہمدردی کا ذکر مقدم تھا اقامتِ صلوٰۃ پر' یہاں بھی والدین کے حقوق کا ذکر پہلے آیا ہے اور صلوٰۃ کا ذکر بعد میں۔ اس کے بعد یہاں آپ مزید اعمال صالحہ شمار کریں گے تو آخری دو آیات میں تواضع' انکساری اور فروتنی کا معاملہ آئے گا۔ "صعر" اونٹ کی گردن کی ایک بیماری کو کہا جاتا ہے جس سے اس کی گردن ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔ انسانوں میں جب تمکنت پیدا ہو جاتی ہے تو غرور کی وجہ سے چال میں اکڑ' انداز گفتگو میں بے اعتنائی اور کج ادائی آجاتی ہے۔ حضرت لقمان کی نصائح کے ذریعے سے ان چیزوں سے روکا گیا' اس حوالے سے کہ اللہ تعالیٰ مغرور اور اترانے والے لوگوں کو بالکل پسند نہیں کرتا۔ مزید برآں عملی زندگی میں ہر اعتبار سے اعتدال اور توازن کی تاکید کی گئی۔

© rasailojaraid.com

سورۃ العصر میں تیسری چیز تھی تواصی بالحق۔ یہاں اس کے ضمن میں ایک معین اصطلاح آ گئی ہے، یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، چنانچہ اقامتِ صلوٰۃ کے تاکیدی حکم کے معاً بعد ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾

"نیکی کا حکم دو اور بدی سے روکو۔"

امر بالمعروف ہمارے دین کی بڑی اہم اصطلاح ہے۔ اتنی اہم کہ امّتِ مسلمہ کا مقصدِ تاسیس ہی اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران میں اسی اصطلاح کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ (آیت ۱۱۰)

"(اے مسلمانو!) تم وہ بہترین امت ہو جسے دنیا والوں کے لئے برپا کیا گیا ہے۔ تمہاری ذمہ داری ہے کہ نیکی کا حکم دو، بدی سے روکو اور اللہ پر پختہ ایمان رکھو۔"

سورۃ العصر میں آخری چیز تھی تواصی بالصبر۔ یہاں حضرت لقمان کی نصیحتوں میں اس کا بیان آ گیا۔ آں جناب اپنے بیٹے سے کہتے ہیں کہ

﴿وَاصْبِرْ عَلٰى مَا اَصَابَكَ ۚ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ (آیت ۱۷)

"اور صبر کر ان مصائب پر جو (بالخصوص امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے پر) تجھے درپیش ہوں۔ یقیناً یہ (امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کی ادائیگی) بڑے ہمت اور حوصلے کے کاموں میں سے ہے۔"

نیکی کا حکم، نیکی کی تلقین اور بدی سے روکنا، اس پر نکیر کو عام طور پر ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کیا جاتا۔ لہٰذا تمسخر و استہزاء، تضحیک و توہین، مصائب و شدائد اور ابتلاء و امتحان اس راہ کے لوازم میں سے ہیں۔ ان کو جھیلنا اور برداشت کرنا ہو گا۔

یہ ہے اس رکوع کے مضامین کا خلاصہ جو بادنیٰ تأمل ہمارے سامنے آ گیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی حکمت و دانائی کا وافر حصہ عطا فرمائے اور یہ حکمت و دانائی محض ذہن و فکر کی حد تک محدود نہ رہے بلکہ ہماری سیرت و کردار اور اخلاق و معاملات میں رچ بس

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

جائے اور ہماری شخصیت کا ایک جزوِ لاینفک بن جائے۔ آمین یا رب العالمین!

آیاتِ مبارکہ کا بطریق تدبّر مطالعہ

قارئین کرام کو یاد ہو گا کہ سلسلہ درس کے بالکل آغاز میں یہ عرض کیا گیا تھا کہ فہمِ قرآن کے دو درجے ہیں۔ ایک تذکر بالقرآن' یعنی آیات اور سورتوں کے مطالعے سے ان کا اصل سبق اور ان کا لب لباب حاصل کر لیا جائے' گویا بنیادی ہدایت اخذ کر لی جائے' دوسرا تدبر قرآن' یعنی قرآن مجید کی آیات اور سورتوں کی گہرائیوں میں غوطہ زنی کی جائے' ایک ایک لفظ پر تدبر و تفکر کا حق ادا کیا جائے' آیات کے باہمی ربط اور سورتوں کے داخلی اور خارجی نظم کا فہم حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ ہم نے سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع پر بطریق تذکر اختصار کے مدنظر جس حد تک ممکن ہو سکا وہ اساسی رہنمائی اخذ کر لی ہے جو اس رکوع کے اصل سبق سے متعلق ہے۔ اب ہمیں اس رکوع پر بطریق تدبّر غور کرنا ہے۔

یہ رکوع اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ اس میں حکمتِ قرآنی کی اساسات متعین ہوتی ہیں۔ "حکمت" کا لفظ اردو میں مستعمل ہے اور بالعموم اس کو ہم فلسفہ کے ساتھ جوڑ کر استعمال کرتے ہیں یعنی فلسفہ و حکمت' لیکن یہ بات سمجھنا بہت ضروری ہے کہ فلسفہ اور حکمت میں ایک بڑا بنیادی فرق ہے۔ فلسفے کا دارومدار خالصتاً عقل پر ہے۔ چنانچہ فلسفہ منطق کے اصولوں پر آگے بڑھتا ہے جبکہ حکمت کی اصل اساس بدیہیاتِ فطرت پر ہے اور اس عمارت کی تعمیر فطرت کے مسلّمات کی بنیاد پر ہوتی ہے' اگرچہ عقل سلیم اسے ایک ہنرمند معمار کی طرح اوپر اٹھاتی ہے' بالکل ایسے جیسے قرآن حکیم میں کلمۂ طیبہ اور عملِ صالح کے باہمی ربط و تعلق کو واضح کیا گیا کہ :

﴿اِلَیۡہِ یَصۡعَدُ الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ وَ الۡعَمَلُ الصَّالِحُ یَرۡفَعُہٗ﴾ (فاطر ۱۰)

"اسی کی جانب بلند ہوتے ہیں کلماتِ طیبات اور عمل صالح انہیں اوپر اٹھاتا ہے!"

واضح رہے کہ ہماری فطرت میں کچھ حقائق مضمر ہیں جنہیں ہم اپنے شعور کی تحتانی سطح پر

© rasailojaraid.com

محسوس کرتے ہیں اور چاہے ہم ان کے لئے کوئی دلیل نہ دے سکیں لیکن فطرت کے ان مضمر حقائق کا ہم نہ انکار کر سکتے ہیں نہ ابطال۔ ان بدیہیات فطرت کو بنیاد بنا کر جب تعقل و تفکر کا عمل آگے بڑھے تو اس طرح جو دولتِ عظمیٰ حاصل ہو گی وہ "حکمت" ہے۔ ذرا اس لفظ حکمت کو بھی اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ عربی زبان میں "ح ک م" کے مادے سے جو الفاظ بنتے ہیں ان سب میں آپ کو کسی شے کی پختگی اور مضبوطی کا مفہوم مشترک ملے گا۔ چنانچہ اسی سے لفظ استحکام بنا ہے جسے عام طور پر ہمارے یہاں استعمال کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ فلاں چیز مستحکم ہے یعنی بہت پختہ اور مضبوط ہے۔ "حکمت" اصل میں انسان کی عقل و شعور کی وہ پختگی ہے کہ جس سے اس میں اصابتِ رائے پیدا ہو جائے، اس میں صحیح نتائج اخذ کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے، اس میں صحیح و غلط میں فرق و امتیاز کرنے کی اہلیت پیدا ہو جائے اور اسے صحیح حقائق تک رسائی حاصل ہو جائے۔ ان تمام اوصاف کو جمع کریں تو انسان میں جو قابلیت اور صلاحیت پیدا ہو گی وہ "حکمت" ہے۔ قرآن مجید میں سورۃ البقرہ (آیت ۲۶۹) میں "حکمت" کو اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک بہت بڑا انعام و احسان اور بہت بڑا فضل قرار دیا ہے، چنانچہ ارشاد ہوا :

﴿یُؤْتِی الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاءُ﴾

"اللہ تعالیٰ حکمت عطا فرماتا ہے جس کو چاہتا ہے۔"

اور

﴿وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾

"جسے حکمت عطا ہو گئی اسے تو خیر کثیر عطا ہو گیا۔"

گویا اسے نہایت قیمتی اور کمیاب شے مل گئی۔ چنانچہ ہمارے دین کی ایک اعلیٰ قدر حکمت ہے۔ یعنی عقل و شعور کی پختگی، دانائی، حقائق رسی کی صلاحیت، اصابتِ رائے، نیکی اور بدی میں تمیز کرنے کی اہلیت اور خیر و شر میں فرق کرنے کی قابلیت۔ جس کو اللہ تعالیٰ یہ سب کچھ عطا فرما دے اس پر اللہ تعالیٰ کے انعام، احسان اور فضل کا کیا کہنا! اس موقع پر مناسب ہے کہ حکمت کے ضمن میں نبی اکرم ﷺ کی ایک حدیث بھی بیان کر دی جائے۔ آنحضور ﷺ فرماتے ہیں :

© rasailojaraid.com

((اَلْحِکْمَۃُ ضَالَّۃُ الْمُؤْمِنِ، فَحَیْثُ وَجَدَھَا ھُوَ اَحَقُّ بِھَا))

"حکمت اور دانائی مومن ہی کی گمشدہ متاع کے مانند ہے، وہ اس کا سب سے زیادہ حق دار ہے جہاں کہیں بھی اسے پائے۔"

یعنی جیسے ہماری کوئی چیز کہیں کھو گئی ہو اور پھر وہ ہمیں کہیں نظر آئے تو ہم اس کی طرف لپکتے ہیں کہ یہ میری چیز ہے۔ اس فعل میں ہمیں کوئی رکاوٹ اور کوئی جھجک نہیں ہوتی۔ بالکل اسی نوعیت کا معاملہ مومن کا ہے کہ حکمت و دانائی اسے جہاں بھی نظر آئے گی وہ اسے لپک کر قبول کرلے گا، بالکل اسی طرح جس طرح کوئی شخص اپنی کسی گم شدہ چیز کو حاصل کرنے کے لئے لپکتا ہے۔ بلکہ حضور ﷺ کا ارشاد تو یہ ہے کہ مومن حکمت کا سب سے زیادہ مستحق ہے۔

حکمتِ قرآنی کی اساسِ اول : شکرِ خداوندی

© rasailojaraid.com

سورۂ لقمان کے اس رکوع میں حضرت لقمان کی شخصیت کے حوالے سے گفتگو شروع ہوئی لیکن حکمتِ قرآنی کی دو اساسات کو متعین کردیا گیا۔ پہلی اساس ہے شکرِ خداوندی۔ یہاں مناسب ہوگا کہ لفظ "شکر" کو بھی اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔ اگرچہ یہ لفظ اردو میں مستعمل ہے لیکن اگر کسی سے پوچھا جائے کہ شکر کسے کہتے ہیں، اس کے معنی کیا ہیں! تو جواب ملے گا کہ شکر، شکر ہوتا ہے۔ اس کے لئے اکثر لوگ شاید کوئی دوسرا لفظ استعمال نہ کرسکیں۔ شکر کیا ہے! اس کی امام راغب اصفہانیؒ نے بڑی عمدہ تشریح فرمائی ہے۔ وہ کہتے ہیں "شکر کے معنی ہیں کسی احسان و انعام کا ادراک و تصور اور اس کا اظہار و اعتراف"۔ اس کے برعکس جو کیفیت ہے وہ "کفر" ہے۔ اس رکوع کی پہلی آیت میں فرمایا گیا:

﴿وَمَنْ یَّشْکُرْ فَاِنَّمَا یَشْکُرُ لِنَفْسِہٖ، وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ۝﴾ (آیت ۱۲)

"اور جو شکر کرتا ہے اپنے بھلے کے لئے کرتا ہے اور جس نے کفر کیا تو بلاشبہ اللہ بے نیاز ہے اور اپنی ذات میں ستودہ صفات (اور از خود محمود) ہے۔"

© rasailojaraid.com

عام طور پر کفر کے معنی صرف انکار کے سمجھے جاتے ہیں۔ جیسے کوئی دین کی کسی بنیادی بات کا انکار کرے، توحید کا منکر ہو یا اللہ کی صفات کمال کا منکر ہو، اسی طرح رسالت کا منکر ہو یا ختم نبوت کا منکر ہو، آخرت کا منکر ہو یا جنت اور دوزخ کا منکر ہو تو ایسا شخص کافر ہے۔ یہ بات اپنی جگہ صد فیصد صحیح ہے لیکن لغوی اعتبار سے اصل میں 'کفر' شکر کی ضد ہے۔ یہ دونوں الفاظ "شکر و کفر" متضاد معنی کے حامل (Antonyms) ہیں۔ شکر کیا ہے! یہ کہ انسان کو نعمت کا احساس ہو اور وہ اس کا اظہار کرے۔ اور کفر کے معنی ہیں چھپا دینا، دبا دینا، لہٰذا جب یہ شکر کے مقابلے میں آئے گا تو اس کا مفہوم ہو گا ناشکرا پن یا کفرانِ نعمت۔

آپ تھوڑے سے غور سے اس نتیجہ تک خود پہنچ جائیں گے کہ شکر فطرت کا جزو لاینفک ہے، بشرطیکہ فطرت صحیح ہو اور مسخ نہ ہوئی ہو۔ یہ بات اس حد تک درست ہے کہ یہ معاملہ صرف انسانوں تک محدود نہیں بلکہ حیوانات تک میں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ اگر کوئی بھوکا پیاسا جانور ہو، آپ نے اس کے سامنے چارہ یا پانی رکھ دیا اور اس نے اپنی بھوک یا پیاس مٹائی تو اب وہ گردن اٹھا کر جب آپ کو دیکھے گا تو آپ کو اس کی آنکھوں میں جذبۂ تشکر چھلکتا ہوا نظر آئے گا۔ یہ فطرت ہے اور اچھی طرح جان لیجئے کہ فطرت کی صحت کی علامت یہ ہے کہ انسان میں شکر کا جذبہ موجود ہو۔ اگر یہ کیفیت ختم ہو جائے تو ایسا شخص ایک ناشکرا انسان ہو گا کہ اس کے ساتھ بھلائی کی جا رہی ہو اور اسے احساس بھی نہ ہو کہ کسی نے اس کے ساتھ بھلائی کی ہے۔ اسے شعور تک نہ ہو کہ کسی نے اس کے ساتھ احسان اور حسن سلوک کا معاملہ کیا ہے۔ ایسے شخص کے لئے حکم لگایا جائے گا کہ اس کی فطرت مسخ ہو چکی ہے یا بالفاظ دیگر اس کی فطرت کے سوتے خشک ہو چکے ہیں۔ عرب ابلتے چشمے کو "العَین الشکریٰ" کہتے ہیں۔ یعنی وہ چشمہ جس سے پانی ابل رہا ہے۔ پھر "دَابَّۃٌ شَکُوْر" اس جانور اور اس حیوان کو کہتے ہیں کہ اگر اس کی ٹہل سیوا کی جائے، اچھا کھانے پینے کو دیا جائے تو وہ فربہ ہوتا ہے۔ اس دیکھ بھال اور اچھی غذا کا اس کے وجود میں ظہور ہوتا ہے تو اسے وہ دَابَّۃٌ شَکُوْرٌ کہتے ہیں۔ لہٰذا شکر فطرت کے اس جذبے کو کہتے ہیں جو کسی نعمت اور کسی احسان پر انسان کے باطن سے ابھرتا ہے۔ اب اس فطری احساس پر عقل سلیم کے ذریعے اضافی تعمیر ہو گی۔ عقل کا وظیفہ کیا ہے؟ یہ کہ وہ اپنے محسنِ

© rasailojaraid.co
© rasailojaraid.co

حقیقی کو پہچانے اور اس طرح اس کے شکر اور احسان مندی کے جذبے سے اس کا ذہن و قلب سرشار ہو جائے۔

ذرا غور فرمائیے کہ جب انسان عہدِ طفولیت میں ہوتا ہے تو اس کے ذہن کی دنیا ابھی اتنی محدود ہوتی ہے کہ وہ اپنے والدین ہی کے بارے میں یہ سمجھتا ہے کہ یہی میرے رازق ہیں، یہی میرے محافظ ہیں، یہی میرے دکھ درد محسوس کرنے والے ہیں، مجھے کوئی تکلیف ہو تو اسے یہی رفع کرنے والے ہیں، للذا اس کا غیر شعوری جذبۂ شکر اپنے والدین کی ذات پر مرتکز رہتا ہے، لیکن جیسے جیسے فکر انسانی کا ارتقاء ہوتا ہے اور عقل اپنی ارتقائی منزلیں طے کرتی ہے، انسان کا شعور پروان چڑھتا ہے اور اس کے ذہن میں وسعت پیدا ہوتی ہے تو انسان کو معلوم ہوتا چلا جاتا ہے کہ میں تو بہت سوں کا زیر بار احسان ہوں۔ میرا وطن ہے، میری قوم ہے، میرے اعزہ و اقرباء ہیں۔ یہ سب کے سب میرے محسن ہیں، میری بھلائی کے لئے سوچتے ہیں۔ میں درجہ بدرجہ ان سب کا زیرِ بارِ احسان ہوں۔ اسی طرح گویا جذبہ شکر پھیل رہا ہے۔ پھر انسان یہاں تک سوچتا ہے کہ یہ زمین جس سے مجھے غذا حاصل ہو رہی ہے، یہ سورج جس سے یہ سارا نظام چل رہا ہے، فصلیں پک رہی ہیں، بارشیں ہو رہی ہیں جن سے مُردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے تو میں ان میں سے ہر چیز کا زیر بار احسان ہوں۔ میری جو ضروریات پوری ہو رہی ہیں تو اس پوری کائنات کی ایک ایک شے میری ضروریات زندگی کی بہم رسانی میں لگی ہوئی ہے۔ اس طرح یہ شکر پھیل کر کائنات کی وسعتوں کو اپنے اندر سمو لیتا ہے!

اس کے بعد اگر انسان ایک چھلانگ اور لگا لے، فکر انسانی اگر ایک قدم اور اٹھا لے تو وہ اس نتیجے تک پہنچ سکتا ہے کہ یہ تمام مظاہر فطرت اور ان میں جو تعدّد نظر آ رہا ہے، ان میں جو توافق اور نظم نظر آ رہا ہے، ان سب کا منبع اور سرچشمہ کوئی ایک ذات ہے۔ سورج میں جو تمازت ہے وہ اس کی اپنی نہیں۔ کوئی اور ہے جس نے اس میں یہ حرارت و تمازت رکھی ہے۔ کسی شے میں اگر کوئی وصف ہے تو وہ اس کا ذاتی نہیں، کسی کا عطا کردہ ہے۔ ایک خالق، ایک رب، ایک منعم ہے جس کے انعامات و احسانات کا یہ پورا سلسلہ اس کائنات میں پھیلا ہوا ہے۔ نتیجہ کیا نکلے گا؟ یہ کہ غور و فکر اور عقل کا یہ ذہنی سفر جب اس حد کو پہنچ جائے

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

گا تو وہ شکر جو والدین کی ذات سے شروع ہو کر پھیلتا ہوا کائنات کی وسعتوں کو محیط ہو گیا تھا پھر ایک ذات پر مرتکز ہو جائے گا اور وہ سمجھ لے گا کہ شکر کا مستحقِ حقیقی اللہ ہے۔ یہاں فطرت اور تعقل کے امتزاج سے جو کچھ حاصل ہوا ہے وہ معرفتِ توحیدِ باری تعالیٰ ہے جس کا نتیجہ شکرِ خداوندی ہے۔ اسی بات کو یوں فرمایا :

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ﴾

"اور بے شک ہم نے لقمان کو دانائی عطا کی اور حکمت سے نوازا کہ شکر کر اللہ کا۔"

معلوم ہوا کہ یہاں کلمہ "اَنْ" حکمت و دانائی کے لازمی و منطقی نتیجے کی جانب رہنمائی کے لئے آیا ہے۔ گویا وہ عقلیت سرے سے حکمت قرار ہی نہیں دی جا سکتی جس سے شکرِ خداوندی کی کیفیت قلب و ذہن میں پیدا نہ ہو۔

مزید برآں اس شکر کے تین درجے ہیں۔ امام راغبؒ نے بہت خوبصورتی سے اس مسئلہ پر بحث کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ شکر کا پہلا درجہ یہ ہے کہ نعمت کا احساس و ادراک ہو۔ ظاہر بات ہے کہ اگر کسی بچے کے ہاتھ پر کوہِ نور ہیرا رکھ دیا جائے تو اسے معلوم ہی نہیں ہو گا کہ اسے کیا چیز دی گئی ہے اور وہ اسے کانچ کا ٹکڑا سمجھے گا۔ لہٰذا جس درجہ کا شکر اس میں پیدا ہونا چاہئے وہ پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ اسے شعور ہی نہیں ہے کہ مجھ پر کتنا بڑا احسان کیا گیا ہے! پس پہلا درجہ ہو گا نعمت کا کماحقہٗ ادراک و شعور۔ دوسرا درجہ ہو گا شکر باللسان' یعنی زبان سے بھی منعم و محسن کی حمد و ثناء ہو جسے ہم شکریہ ادا کرنا کہتے ہیں۔ جیسے "Thanks" اور "شُكْرًا" کہا جاتا ہے۔ یہ الفاظ متمدن و مہذب معاشرہ میں سب سے زیادہ کہے اور سنے جانے والے الفاظ ہوں گے۔ پھر تیسرا درجہ ہے شکر بالجوارح کا' یعنی اس نعمت کا حق اپنے پورے وجود سے ادا کرو۔ اگر کسی بچے کو اس کے والد نے بہت عمدہ کتاب لا کر دی' بچہ مہذب تھا' اس نے اپنے والد کا شکریہ ادا کر دیا لیکن پھر اس نے اس کتاب کو طاقِ نسیان پر رکھ دیا اور اس سے کوئی استفادہ نہ کیا تو یہ ناشکرا پن ہے' ناقدری ہے۔ لہٰذا نعمت کا حق ادا کرنا بھی شکر کا تقاضا ہے۔

الغرض شکر تقاضائے فطرت ہے' اور عقلِ سلیم کا مآل یہ ہے کہ اپنے اصل محسن و منعم اور خالق و مالک کو پہچان لے۔ اور ان دونوں کے امتزاج سے اللہ کے شکر و امتنان کے

© rasailojaraid
© rasailojaraid
© rasailojaraid

جذبات کا چشمہ دل کی گہرائیوں سے ابلتا ہے اور اس کی حمد و ثناء کے زمزمے انسان کی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں! پھر شکر خداوندی کا تقاضا ہے کہ انسان اللہ کا حق ادا کرے اور اللہ کا سب سے بڑا حق وہ ہے جسے اگلی آیت میں حضرت لقمان کی پہلی نصیحت میں بایں الفاظ بیان کیا گیا :

﴿یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۚ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ۝﴾

"اے میرے پیارے بچے! دیکھنا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا' بلاشبہ شرک بہت بڑا ظلم اور بہت بڑی ناانصافی ہے۔"

انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بے حد و حساب نعمتیں ملی ہیں' اس پر احسانات کی جو بارش ہوئی ہے تو انسان سے اس کی نعمتوں کا جو عظیم ترین حق مطلوب ہے وہ التزامِ توحید اور اجتناب عن الشرک ہے۔ یہ بہت اہم موضوع ہے۔

© rasailojaraid

حکمتِ قرآنی کی اساس دوم

اس رکوع میں حکمت قرآنی کی جو دوسری بات آئی ہے اب اس پر غور کیجئے۔ وہ بات معروف اور منکر یعنی نیکی اور بدی کا تصور ہے۔ قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ فطرت انسانی میں نیکی اور بدی کی پہچان اللہ کی جانب سے ودیعت شدہ موجود ہے۔ انسان ان میں طبعاً امتیاز کرتا ہے۔ اس کی ضرورت نہیں ہے کہ انسان کو بتایا جائے کہ سچ بولنا اچھا ہے' جھوٹ بولنا برا ہے۔ انسان کی اپنی فطرت اس بات سے واقف ہے کہ سچائی نیکی ہے اور جھوٹ بدی ہے۔ وعدہ پورا کرنا نیکی ہے' وعدے کی خلاف ورزی کرنا بدی ہے۔ دیانت و صداقت اعلیٰ اقدار ہیں' خیانت و کذب برائیاں ہیں۔ ہمسائے کے ساتھ حسن سلوک خیر ہے' ہمسائے کو پریشان کرنا اور اسے اذیت پہنچانا شر ہے۔ چنانچہ قرآن نے نیکی کے جملہ اعمال و مظاہر کے لئے جو اصطلاح اختیار کی ہے وہ ہے "معروف"۔ معروف کے معنی ہیں "جانی پہچانی چیز"۔ اس کے برعکس بدی کے لئے قرآن کی اصطلاح "منکر" ہے۔ منکر اس چیز کو کہتے ہیں جو پہچان میں نہ آئے' جس سے انسان کی طبیعت کو نفرت اور اباء ہو۔ یہ قرآن حکیم کا اعجاز ہے کہ اس نے ان دو الفاظ کے حوالے سے حکمت کے نہایت اہم مسائل پر

© rasailojaraid

سے پردے ہٹا دیئے ہیں اور ان کو مبرہن کر دیا ہے۔ قرآن بتاتا ہے کہ نہ صرف یہ کہ انسان اپنی فطرت سے جانتا ہے کہ نیکی کیا ہے! بدی کیا ہے! خیر کیا ہے! شر کیا ہے! بلکہ فطرتِ انسانی کا میلان نیکی کی طرف ہے۔ وہ اس کی فطرت کی جانی پہچانی چیز ہے۔ اس کا طبعی رجحان نیکی کی طرف ہے، بدی کی طرف نہیں۔ وہ بدی سے طبعاً نفرت کرتا ہے۔ یہ بالکل علیحدہ بات ہے کہ بالکل غیر معمولی حالات میں یا غلط ماحول سے متأثر ہو کر انسان بدی کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے لیکن اس کی فطرت اسے متنبہ کرتی رہتی ہے اور اس کا ضمیر اس کو ٹوکتا رہتا ہے کہ تم غلط راستہ پر جا رہے ہو، اِلّا یہ کہ اس کی فطرت ہی مسخ ہو گئی ہو۔ الغرض یہ ہے حکمتِ قرآنی کی دوسری اہم اساس جس کا تعلق ایمان بالآخرۃ سے ہے۔ یہ بات اس منتخب نصاب میں آئندہ واضح ہو کر سامنے آئے گی کہ اگر نیکی نیکی ہے اور بدی بدی ہے تو نیکی کی جزا ملنی چاہئے، بدی کی سزا۔ گندم از گندم بروید جو ز جو۔ اگر گندم سے گندم اور جو سے جو پیدا ہوتا ہے تو کیسے ممکن ہے کہ نیکی کی جزا اور بدی کی سزا نہ ملے جو بالعموم اس دنیا میں نہیں ملتی، لٰہذا اس کے لئے کسی دوسرے عالم کی ضرورت ہے۔ یا پھر یہ کہنا پڑے گا کہ نیکی اور بدی برابر ہے، اس میں کوئی فرق و تفاوت نہیں ہے۔ لیکن فطرتِ سلیمہ اور عقلِ صحیحہ اس کو قبول نہیں کرتی۔ فطرت اور عقل کا فیصلہ یہ ہے کہ نیکی نیکی ہے، بدی بدی ہے اور نیکی کا نتیجہ اچھا اور بدی کا نتیجہ برا نکلنا چاہئے۔ مکافاتِ عمل کی یہی بات حضرت لقمان نے کہی "اے میرے پیارے بچے! نیکی یا بدی خواہ رائی کے دانے کے برابر ہو، پھر خواہ وہ کسی چٹان میں کی گئی ہو یا کہیں فضا کی پہنائیوں میں کی گئی ہو یا کہیں زمین کے پیٹ میں گھس کر کی گئی ہو، اللہ اس کو لے آئے گا" یہ اعمال انسانی ضائع جانے والے نہیں۔ یہ ہیں وہ امور جن کو قرآن حکمت سے موسوم کرتا ہے اور جن تک انسان غور و فکر کے نتیجے میں از خود پہنچ سکتا ہے۔ اگر آپ ان کے لئے لفظ فلسفہ استعمال کرنا چاہیں تو یوں کہا جا سکتا ہے کہ قرآن حکیم کے فلسفہ کی عمارت ان اساسات پر تعمیر ہوتی ہے۔

چند امور کی وضاحت

حکمت قرآنی کی اساسات کے ضمن میں چند امور کی وضاحت ضروری ہے۔

© rasailojaraid

۱۔ انسان پر اللہ تعالیٰ کا شکر تو فرض کے درجے میں ہے۔ جو شخص اللہ کے شکر کی روش اختیار کرے گا' اس کی فطرت میں دوسرے محسنین کے شکر کی عادت اور خو بھی یقیناً پیدا ہو گی۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے : ((مَن لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ)) یعنی "جو شخص انسانوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کرے گا" اس لئے کہ جس کنویں کا پانی خشک ہو چکا ہو اس میں ڈول کوئی بھی ڈالے پانی نہیں نکلے گا۔ جس کی فطرت کے سوتے خشک ہو چکے ہوں اس میں سے شکر کا جذبہ نہ انسانوں کے لئے برآمد ہو گا نہ اللہ کے لئے۔

۲۔ اگر انسان کی فطرت میں شکر کا مادہ ہے اور احسان مندی کا جذبہ ہے تو اس کی اپنی شخصیت کا ارتقاء صحیح رخ پر ہو گا۔ معاذ اللہ' اللہ کو شکر کی احتیاج نہیں ہے۔ کوئی اس کی حمد و ثناء کرے نہ کرے وہ تو اپنی ذات میں غنی ہے' حمید ہے' از خود محمود ہے' ستودہ صفات ہے۔ اس کو شکر کی حاجت نہیں ہے۔ شکر کی ضرورت خود انسان کو ہے۔ یہ جذبہ اس کے اندر اگر موجود ہے تو اس کی شخصیت کا صحیح سمت میں ارتقاء ہو گا اور اس کی خودی اور سیرت کی تعمیر صحیح اساسات پر ہو گی۔

۳۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ضمن میں انسان کو اپنی ذات اور اپنے نفس کو مقدم رکھنا ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم دوسروں کو تو نیکی کی نصیحت و تلقین کریں اور خود اس پر عامل نہ ہوں۔ برائی پر ہم دوسروں کی نکیر کریں' ان پر تنقید کریں اور اپنی برائیوں پر نہ نظر ڈالیں نہ ان کو دور کرنے کی فکر کریں۔ سورۃ البقرہ میں بنی اسرائیل کے جرائم کی جو فہرست بیان ہوئی ہے اس میں ایک جرم یہ بھی فرمایا گیا :

﴿اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ﴾ (البقرۃ : ۴۴)

"کیا تم لوگوں کو نیکی اور بھلائی کا حکم دیتے ہو (اور انہیں اس کی تلقین و نصیحت کرتے ہو) اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو!"

تو انسان میں یہ دونوں وصف بیک وقت مطلوب ہیں۔ وہ اپنی اصلاح کے لئے بھی کوشاں رہے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتا رہے۔ یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کے لئے مدد و معاون ہوں گی۔

© rasailojarai
© rasailojarai
© rasailojarai

۴ ۔ ایک بات یہ بھی سمجھ لیجئے کہ عربی زبان میں "امر" جہاں حکم کے معنی میں آتا ہے وہاں تلقین، نصیحت اور مشورے کے لئے بھی آتا ہے۔ اس کے معانی کلام کے سیاق و سباق کے اعتبار سے متعین ہوتے ہیں۔

۵ ۔ آخری بات یہ کہ احادیثِ نبویہ میں سارا زور نہی عن المنکر پر ملتا ہے۔ اس کی حکمت بھی بادنیٰ تامل سمجھ میں آتی ہے، جس معاشرے میں برائیوں کو گوارا کیا جائے، ان سے صرفِ نظر اور اعراض کیا جائے، ان کو روکنے اور مٹانے سے غفلت اختیار کی جائے تو معاشرے میں نیکیوں کے فروغ اور نشوونما کے لئے ماحول قطعی ناسازگار ہو جائے گا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی پھل پھول والے پودے کے ساتھ جو جھاڑ جھنکار اگ آتا ہے اگر باغبان اس کی صفائی نہ کرے تو زمین اور فضاء سے ملنے والی غذائیں اس پودے کے بجائے یہ جھاڑ جھنکار ہڑپ کر جائیں گے اور پودے کو پنپنے اور نشوونما کے لئے غذا مہیا ہی نہیں ہو سکے گی۔

۶ ۔ معاشرے سے برائیوں کو دور کرنے کے حدیث میں تین درجے بیان ہوئے ہیں۔ مسلم شریف کی حدیث ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے جو کوئی بھی کسی برائی کو دیکھے تو پہلا درجہ عزیمت کا ہے کہ طاقت سے برائی کو روک دے۔ اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے تلقین کی جائے، نصیحت کی جائے کہ کیا کر رہے ہو، باز آجاؤ۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ حالات اتنے بگڑ جائیں کہ زبانوں پر تالے ڈال دیئے جائیں، زبان بندی ہو جائے، تو دل میں یہ احساس ضرور رہے، صدمہ ضرور رہے کہ یہ کیا ہو رہا ہے! ایک شدید کرب کا احساس باقی رہے۔ یہ آخری درجہ ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا : "یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے"۔ اگر برائیوں پر دل کی کڑھن بھی موجود نہ رہے تو معلوم ہوا کہ ایمان کی رمق بھی اندر باقی نہیں رہی ہے۔

یہ وہ درجہ ہے جس کے بارے میں علامہ اقبال نے کہا کہ ۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا!
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

© rasailojaraid

حقیقت و اقسامِ شرک

سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع میں حکمتِ قرآنی کی جو اساسات بیان ہوئی ہیں اور جس مقام عزیمت کی طرف رہنمائی فرمائی گئی ہے اس کے حوالے سے اختصار و اجمال کے ساتھ رکوع کا لبِ لباب اور اس کا اصل حاصل بیان ہو گیا، فللّٰہ الحمد۔ اب اس رکوع کی آیت نمبر۲ پر مزید غور کرنا مقصود ہے، کیونکہ اس میں اجتناب عن الشرک کی تاکید کے ضمن میں التزامِ توحیدِ باری تعالیٰ کا انتہائی تاکیدی حکم وارد ہوا ہے، اور ہر شخص جانتا ہے کہ ہمارے دین کی اصل جڑ بنیاد توحید ہی ہے۔ چنانچہ حضرت لقمان کی نصائح کے ضمن میں پہلی نصیحت بایں الفاظ بیان فرمائی گئی :

﴿یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِکْ بِاللّٰہِ ؕ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ۝﴾

(آیت ۱۳)

"اے میرے پیارے بچے! اللہ کے ساتھ شرک مت کر، یقیناً شرک بہت بڑا ظلم ہے۔"

اس سلسلے میں پہلی اور اہم ترین بات تو یہ جان لینی چاہئے کہ ازروئے قرآن مجید ہمارے دین میں شرک سب سے بڑا گناہ اور ناقابل معافی جرم ہے۔ سورۃ النساء میں دو مرتبہ اس بات کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ آیت نمبر ۴۸ کے الفاظ ہیں :

﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدِ افْتَرٰۤی اِثْمًا عَظِیْمًا ۝﴾

"اللہ تعالیٰ اس کو تو ہرگز معاف نہیں فرمائے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔ البتہ اس سے کمتر خطائیں اور تقصیریں جس کے لئے چاہے گا بخش دے گا۔ اور جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا، اس نے تو بہت ہی بڑا جھوٹ گھڑا (اور بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کیا)"۔

اسی سورہ کی آیت نمبر ۱۱۶ میں یہ مضمون دوبارہ اس شان کے ساتھ وارد ہوا کہ آیت کا پہلا حصہ بعینہٖ وہی ہے جو آیت نمبر ۴۸ کا ہے، دوسرے حصے میں معمولی تغیر ہے، چنانچہ یہاں فرمایا :

© rasailojaraid

﴿وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ۝﴾

"اور جس نے بھی اللہ کے ساتھ شرک کیا وہ بلاشبہ گمراہی اور ضلالت میں بہت دور نکل گیا۔"

گویا یہاں یہ بات مزید واضح ہو گئی کہ شرک میں ملوث ہونے والا انسان گمراہی میں اتنی دور نکل جاتا ہے کہ اس کے بعد اس کے لئے معافی اور بخشش کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔

قرآن حکیم کے مطالعہ سے دوسری اہم بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ گناہ اور یہ جرم بہت ہمہ گیر ہے اور اتنا عام ہے کہ اللہ کو ماننے والوں کی اکثریت بھی شعوری یا غیر شعوری طور پر اس میں ملوث ہو جاتی ہے۔ سورۂ یوسف میں ارشاد ہوتا ہے :

﴿وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ۝﴾

(آیت ۱۰۶)

"اور نہیں ایمان لاتے ان میں سے اکثر لوگ اللہ پر مگر ساتھ ہی (کسی نہ کسی نوعیت کا) شرک بھی کرتے ہیں۔"

یعنی اکثر لوگ اللہ کو مانتے ہیں' اس پر ایمان لاتے ہیں' لیکن توحیدِ خالص کے ساتھ اللہ کو ماننا' اس پر ایمان رکھنا کسی کسی ہی کو نصیب ہوتا ہے۔ علامہ اقبال نے شرک کی اسی ہمہ گیری کی طرف بایں الفاظ اشارہ کیا ہے ۔

براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے!
ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنالیتی ہے تصویریں

تیسری اہم ترین بات یہ کہ شرک کی بہت سی اقسام ہیں اور یہ مرض بہت متنوع صورتوں میں ظہور کرتا ہے' بلکہ یہ بات بھی جان لینی ضروری ہے کہ ہر دور کا ایک خاص شرک ہوتا ہے۔ اگر کوئی انسان اپنے دور کے شرک کو نہ پہچان پائے تو ہو سکتا ہے کہ وہ سابقہ ادوار کے تمام شرکوں سے تو بچا ہوا ہو اور اپنے خیال میں وہ بہت بڑا موحد بنا پھرتا ہو لیکن وہ اپنے دور کے شرک کو نہ پہچان پایا ہو اور لاعلمی میں وہ اس میں ملوث ہو گیا ہو۔

میرے نزدیک اس دور کا جو شرک سب سے عام اور سب سے زیادہ پھیلا ہوا ہے وہ مادہ پرستی کا شرک ہے۔ ہمارے ہاں مادے اور اس کی تاثیرات پر پورا الیقین و اعتماد کیا جاتا ہے

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

لیکن ذات باری تعالیٰ پر اتنا بھی توکل، یقین اور اعتماد نہیں ہے جو ایمان حقیقی کے لئے لازمی ولابدی ہے۔ اقبال نے اسے اس شعر میں بڑی خوبصورتی سے کہا ہے کہ۔

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

ایمان اصل میں نام ہے اللہ پر توکّل، اعتماد اور بھروسے کا، اور اس کی نفی کفر اور شرک ہے۔ لہٰذا شرک کے بارے میں بہت حساس ہونے کی ضرورت ہے۔ فارسی زبان کا ایک شعر ہے۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من اندازِ قدت را می شناسم

یعنی "تم چاہے کسی رنگ کا لباس پہن لو، کوئی بھیس بدل لو، میں تمہیں تمہارے قد سے پہچان لوں گا"۔ شرک کے معاملے میں بھی بالکل یہی کیفیت درکار ہے کہ یہ بیماری جس صورت میں بھی کسی دور میں اور کسی معاشرے میں ظہور کر رہی ہو، نگاہ اتنی دوررس ہو کہ انسان پہچان لے کہ اس دور میں شیطان نے شرک کو اس صورت میں جلوہ گر کیا ہے، تب ہی اس بات کا امکان ہے کہ انسان شرک سے اپنے آپ کو بچا سکے۔

چوتھی اہم بات جو درحقیقت ان تینوں باتوں کا منطقی نتیجہ ہے یہ ہے کہ شرک سے کلیۃً بچنا آسان کام نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر قرآن مجید میں جب آتا ہے تو اکثر مقامات پر جہاں آکر بات ختم ہوتی ہے وہاں یہ الفاظ آتے ہیں کہ "مَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ" یعنی "ابراہیم مشرکوں میں سے نہ تھے"۔ حضرت ابراہیمؑ کی عظمتِ جلیلہ کو ذہن میں رکھئے۔ آں جنابؑ ہمارے رسول اللہ ﷺ کے جدِ امجد ہیں، ابوالانبیاء ہیں، امام الناس ہیں، اور خلیل اللہ ہیں۔ ہم درود میں بھی ان کی مثال پیش کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ آخری سند ہے جو اللہ کی طرف سے کسی بندے کو عطا ہو جائے۔ یہ سب سے بڑا اور قیمتی سرٹیفکیٹ اور Testimonial ہے جو اللہ کی طرف سے کسی کو دیا جائے کہ "میرا یہ بندہ شرک کے ہر شائبہ سے پاک ہے"۔

اب ہمیں یہ سمجھنا ہو گا کہ شرک اصل میں کہتے کسے ہیں! شرک یعنی اشراک باللہ

© rasailojaraid.

(اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کر دینا) کی اصل حقیقت کیا ہے جس کو اس آیۂ مبارکہ میں ظلمِ عظیم قرار دیا گیا ہے۔ عربی زبان میں ظلم کی تعریف ہے "کسی چیز کو اس کے اصل اور حقیقی مقام سے ہٹا کر کسی اور جگہ رکھ دینا"۔ یہ فعل ظلم کہلاتا ہے۔ ہر چیز کو اس کے اصل و حقیقی مقام پر رکھئے' یہ عدل ہے' یہ انصاف ہے۔ اب غور فرمایئے تو یہ حقیقت سامنے آئے گی کہ شرک میں دو چیزیں لامحالہ ہوں گی۔ یا اللہ کو اس کے مقامِ رفیع سے گرا کر مخلوقات کی صف میں لا کھڑا کیا جائے گا اور کوئی صفت جو صرف مخلوقات کے لئے ہو گی اس سے اللہ کو متصف کر دیا جائے گا۔ یا مخلوقات میں سے کسی کو اٹھا کر اللہ کے برابر لا بٹھایا جائے گا اور جو صفات صرف باری تعالیٰ کے لئے مختص ہیں ان سے کسی مخلوق کو متصف تسلیم کیا جائے گا۔ یہ دونوں صورتیں یکساں "ظلم" ہیں۔ یہ دونوں افعال "وَضْعُ الشَّیْءِ فِی غَیْرِ مَحَلِّہٖ" کے ذیل میں آئیں گے۔ اللہ کو اس کی منفرد شان رفیع اور مقام جلیل سے گرانا بلا شبہ ظلم ہے اور مخلوق میں سے کسی کو اس کے اصل و حقیقی مقام سے اٹھا کر اللہ کا ہمسر' ہم پلہ' ند' ضد' کفو اور مد مقابل بنا دینا' یہ بھی بہت بڑا ظلم اور بہت بڑی ناانصافی ہے۔

شرک فی الذات

اب اختصار کے ساتھ شرک کی چند اقسام کو سمجھئے۔ اگرچہ اس کی تقسیمیں مختلف اعتبارات سے ہو سکتی ہیں لیکن جس پہلو سے میں تقسیم آپ کے سامنے رکھوں گا مجھے توقع ہے کہ شاید آپ اسے بہت جامع اور نہایت قابل فہم پائیں گے۔ شرک کی تین موٹی موٹی قسمیں ہیں۔ پہلی "شرک فی الذات" اللہ کی ذات میں کسی کو شریک بنا دینا۔ یہ بدترین اور عریاں ترین شرک ہے۔ دوسری "شرک فی الصفات" یہ معاملہ کسی علمی مغالطے کے باعث بھی ہو سکتا ہے۔ تیسری "شرک فی الحقوق" ہے' یعنی اللہ کے حقوق میں کسی کو اس کا ساجھی بنا دینا۔ لہٰذا شرک کی یہ تین بڑی بڑی قسمیں پیش نظر رکھئے' پھر ان کو علیحدہ علیحدہ سمجھئے۔

شرک فی الذات یعنی ذات باری تعالیٰ میں کسی کو شریک کر دینا' اس کی دو قسمیں ہیں۔ ان میں جو سب سے زیادہ مکروہ اور سب سے زیادہ گھناؤنی قسم ہے' عجیب ستم ظریفی

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

ہے کہ یہ ان قوموں میں پیدا ہوئی جو اپنے آپ کو نبیوں اور رسولوں کی طرف منسوب کرتی ہیں۔ یہودیوں نے حضرت عزیرؑ کو اللہ کا بیٹا قرار دیا۔ مشرکین عرب حضرت ابراہیمؑ کے نام لیوا تھے، انہوں نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دے دیا۔ عیسائیوں نے یہ ظلم ڈھایا کہ اللہ کے رسول حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا ہی نہیں صلبی بیٹا قرار دے دیا۔ اس شرک پر اللہ کا غضب بہت بھڑکتا ہے۔ سورۂ مریم کی آیات نمبر ۸۸ تا ۹۲ میں اس کا اظہار اس انداز سے فرمایا گیا ہے :

﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۝ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ۝ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝ وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ۝﴾

© rasailojaraid.

”کہتے ہیں کہ رحمٰن نے کسی کو اپنا بیٹا بنالیا ہے۔ لوگو! تم بہت گستاخی کی بات کر رہے ہو۔ (یہ گستاخی اللہ کی جناب میں اتنی شدید ہے کہ) آسمان پھٹ پڑنے کو ہے، زمین شق ہونے کو ہے اور قریب ہے کہ پہاڑ ایک دھماکے کے ساتھ زمین بوس ہو جائیں، (اس گستاخی پر) کہ لوگوں نے رحمٰن کے لئے بیٹا تراش لیا۔ حالانکہ یہ بات رحمٰن کے شایانِ شان ہی نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے۔“

اس شرک فی الذات کی دوسری صورت پیدا ہوئی فلسفیانہ مذاہب میں۔ ان میں حلول اور تجسم کے عقیدے پیدا ہوئے جس کا مطلب ہے کہ اس پوری کائنات میں اللہ حلول کر گیا ہے۔ گویا اللہ ہی نے اس کائنات کی صورت اختیار کرلی ہے اور ہر شے اب اللہ کی ذات کا عین بن گئی ہے۔ یہ بھی اپنی نوع کا بدترین شرک ہے۔ پھر ایک اور عقیدہ اوتار کا پیدا ہوا۔ یعنی خدا کسی انسانی شکل و صورت میں ظاہر ہو جاتا ہے یا کسی انسان میں حلول کر جاتا ہے۔ اوتار کا عقیدہ بھی بدترین شرک فی الذات ہے۔

شرک فی الصفات

آگے چلئے ---- شرک فی الصفات کا معاملہ جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کچھ علمی نوعیت کا ہے، اس لئے کہ ہماری زبان میں الفاظ مشترک ہیں۔ جو الفاظ ہم اللہ کے لئے بطور صفت

© rasailojaraid.

بولتے ہیں وہی مخلوقات کے لئے بھی بولتے ہیں۔ مثلاً اللہ بھی موجود ہے' ہم بھی موجود ہیں۔ اللہ بھی زندہ ہے' ہم بھی زندہ ہیں۔ اللہ بھی سنتا ہے' ہم بھی سنتے ہیں۔ اللہ بھی دیکھتا ہے' ہم بھی دیکھتے ہیں۔ اب اس لفظی اشتراک سے مغالطہ ہو سکتا ہے۔ لیکن ان صفات کا اطلاق جب اللہ پر ہوتا ہے تو مفہوم کچھ اور ہوتا ہے اور یہی صفات جب مخلوقات کے لئے استعمال ہوں گی تو ان کا مفہوم کچھ اور ہو گا۔ اس ضمن میں تین چیزیں پیش نظر رکھنی ضروری ہیں تاکہ اس معاملے میں مغالطے سے نجات حاصل ہو۔ ایک یہ کہ اللہ کا وجود بھی ذاتی ہے اور صفات بھی ذاتی ہیں' جبکہ ماسوی اللہ کا وجود بھی عطائی ہے اور صفات بھی عطائی ہیں۔ اس لئے کہ مخلوقات کو اللہ ہی نے وجود بخشا ہے اور صفات بھی عطا کی ہیں۔ دوسرے یہ کہ اللہ کا وجود بھی لامحدود ہے اور صفات بھی لامحدود ہیں جبکہ ماسوی اللہ کا وجود بھی محدود ہے اور صفات بھی محدود ہیں۔ تیسرے یہ کہ اللہ کی ہستی بھی قدیم ہے حادث نہیں' ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ اسی طرح اس کی صفات بھی قدیم ہیں۔ اس کے برعکس معاملہ مخلوقات کا ہے' وہ خود بھی حادث ہیں اور ان کی صفات بھی حادث ہیں۔ ان تینوں چیزوں کا فرق اگر سامنے رکھا جائے تو پھر اس میں مغالطہ نہیں ہو گا' لیکن اگر اس میں ذرا سی بھی بے احتیاطی ہو جائے تو شرک کی صورت پیدا ہو جائے گی۔

شرک فی العبادۃ اور اس کی شاخیں

اب آیئے شرک کی تیسری قسم کی طرف' یعنی اللہ کے حقوق میں کسی کو ساجھی بنا دینا۔ اگر ہم اللہ کے حقوق شمار کریں تو ہم اس کا احصاء نہ کر سکیں گے۔ لیکن ایک لفظ ایسا ہے کہ "ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں" کے مصداق اس میں سب حقوق آجاتے ہیں' اور وہ لفظ ہے "عبادت"۔ اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ لیکن اس لفظ عبادت کی قدرے تشریح ہو گی تو بات سمجھ میں آئے گی۔ اس ضمن میں قارئین کرام سے درخواست ہے کہ پانچ چیزیں گن کر ذہن نشین کر لیں۔ عبادت میں اہم ترین چیز ہے "اطاعت"۔ توحید فی الاطاعت یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت تمام اطاعتوں پر غالب آجائے۔ بقیہ تمام اطاعتیں اللہ کی اطاعت کے تابع ہوں۔ اگر کسی کی اطاعت اللہ کی اطاعت کے

© rasailojaraid.com

برابر ہوگئی تو یہ شرک فی الاطاعت ہو جائے گا۔ تمام اطاعتیں اللہ کے تابع ہوں تو یہ توحید ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ((لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ)) یعنی "کسی مخلوق کی اطاعت نہیں ہوگی اس چیز میں کہ جس میں خالق کی معصیت لازم آ رہی ہو"۔ اللہ کی اطاعت کے تابع والدین کی اطاعت بھی ہے' اساتذہ کی بھی ہے' اولی الامر کی بھی ہے' حکام کی بھی ہے۔ کوئی اطاعت اللہ کی اطاعت سے آزاد نہ ہو۔ اگر آزاد ہوئی تو شرک فی الاطاعت لازم آ جائے گا۔ یہاں یہ نکتہ بھی نوٹ کر لیجئے کہ اللہ کی اطاعت جناب محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے واسطے سے ہوگی۔ قرآن مجید بھی ہمیں نبی اکرم ﷺ کے توسط سے ملا ہے۔

دوسری چیز ہے "محبت"۔ تمام محبتیں اللہ کی محبت کے تابع ہو جائیں۔ کوئی محبت اللہ کی محبت کے ہم پلہ نہ ہو۔ ہمارے قلب کے سنگھاسن پر بالاترین محبت اللہ کی براجمان ہو۔ بقیہ تمام محبتیں اللہ کی محبت کے تابع ہو جائیں۔ اگر کسی اور کی محبت برابر اللہ کی محبت کے آکر بیٹھ گئی تو جان لیجئے کہ یہی شرک ہے۔ یہ دو چیزیں "اطاعت اور محبت" بہت اہم ہیں۔ ان کی تفصیل میں جانے کا موقع نہیں ہے۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ یہ وہ اصول ہیں کہ جن کو انسان خود حالات پر منطبق کر سکتا ہے۔ اصول اگر ہاتھ میں آ جائیں تو ان کا اطلاق کر کے انسان تمام مسائل حل کر لے گا۔ ایک ضروری بات یہاں پھر نوٹ کر لیجئے کہ اطاعت اور محبت دونوں اعتبارات سے اللہ کے ساتھ اللہ کے رسول ﷺ بھی شامل ہیں۔ اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت تمام اطاعتوں پر غالب ہو تو یہ توحید ہے۔ کوئی اور اطاعت ان کے ہم پلہ ہوگئی یا بالاتر ہوگئی اور کوئی محبت ان کے برابر ہوگئی یا بڑھ گئی تو یہ شرک فی الاطاعت اور شرک فی المحبت کی صورت ہوگی۔

تیسری چیز ہے دعا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ((الدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ)) "دعا عبادت کا جوہر ہے"۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ ((الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ)) "دعا ہی اصل عبادت ہے"۔ چنانچہ دعا اللہ کے سوا کسی سے نہیں کی جائے گی۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا: ﴿وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ (القصص: ۸۸) یعنی "اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو مت پکارو"۔ پکارو اسی کو' مانگو اسی سے۔ یہ ہے توحید فی الدعاء۔ اور اگر اللہ

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

سے بھی دعا کر رہے ہو' مانگ رہے ہو اور کسی اور سے بھی تو یہ شرک فی الدعاء ہے۔

چوتھی چیز ہے اخلاص۔ اگر متذکرہ بالا تینوں باتوں میں ریاکاری کا کہیں شائبہ ہو گیا تو یہ بھی شرک ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا : ((مَنْ صَلّٰی یُرَائِی فَقَدْ اَشْرَکَ' وَمَنْ صَامَ یُرَائِی فَقَدْ اَشْرَکَ' وَمَنْ تَصَدَّقَ یُرَائِی فَقَدْ اَشْرَکَ)) "جس نے دکھلاوے کے لئے نماز پڑھی وہ شرک کر چکا' جس نے دکھلاوے کے لئے روزہ رکھا وہ شرک کر چکا' جس نے دکھاوے کے لئے صدقہ و خیرات کیا وہ شرک کر چکا"۔ یہ شرکِ خفی کہلاتا ہے جو نظر نہیں آتا۔ اقبال نے جو کہا ہے کہ ؏

ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں!

تو اس کا اطلاق اسی نوع کے شرک پر ہوتا ہے۔ حضور ﷺ نے تجزیہ کر کے بتا دیا کہ اگر ایک شخص نماز پڑھنے کھڑا ہوا اور اس نے دیکھا کہ کوئی مجھے دیکھ رہا ہے' اس لئے سجدہ طویل کر دیا تو اس نے شرک خفی کا ارتکاب کیا' چونکہ اس طرح اس کے سجدے کے مسجود دو ہو گئے۔ وہ اللہ کو بھی سجدہ کر رہا ہے اور جسے دکھا رہا ہے گویا اسے بھی سجدہ کر رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ ریا و سُمعہ یعنی عبادت دوسروں کو دکھانے یا سنانے کی نیت سے کرنا شرک فی الاخلاص ہے۔

خواہشِ نفس کی بلاقید پیروی بھی شرک ہے۔ قرآن مجید میں دو جگہ یہ مضمون آیا ہے :

﴿اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـھَہٗ ھَوٰىہُ﴾ (الفرقان : ۴۳)

اور

﴿اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـھَہٗ ھَوٰىہُ﴾ (الجاثیہ : ۲۳)

یعنی "اے نبی! کیا آپ نے اس شخص کے حال پر غور کیا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا"۔ یہاں لفظ "الٰہ" آیا ہے جو ہمارے کلمۂ توحید کے جزوِ اول کا لفظ ہے۔ معلوم ہوا کہ صرف سامنے رکھی ہوئی مورتیاں ہی نہیں پوجی جاتیں' اندر کی نفسانی خواہشات کو بھی پوجا جاتا ہے۔

باطن کے اصنام میں مال و دولت کی وہ محبت بھی شامل ہے جس کے حصول میں حلال و

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

حرام کی تمیز ختم ہو جائے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا : ((هَلَكَ عَبْدُ الدِّينَارِ وَعَبْدُ الدِّرْهَمِ)) "ہلاک ہو جائے یا ہلاک ہو گیا دینار و درہم کا بندہ"۔ آنحضور ﷺ نے لفظ کون سا استعمال فرمایا! عبد' اس لئے کہ جس شخص کے دل میں دولت کی محبت اتنی ہے کہ اسے کوئی غرض نہیں کہ حلال سے آئے یا حرام سے' جائز سے آئے یا ناجائز سے' صحیح راستے سے آئے یا غلط راستے سے' دولت کی اس طمع اور محبت کا مطلب ہے کہ دولت اس کا معبود ہے' چاہے وہ ہندوؤں کی طرح "لکشمی دیوی" کو نہ پوج رہا ہو۔ شریعت کی قیود و حدود اور شرائط سے بے نیاز ہو کر دولت کی چاہت بھی شرک ہے۔

اس ضمن میں پانچویں اور آخری چیز یہ ہے کہ کچھ مراسمِ عبودیت ایسے ہیں جو صرف اللہ کے لئے خاص ہیں۔ کسی کو بھی سجدہ نہیں ہو گا سوائے اللہ کے۔ اس معاملے میں شیخ احمد سرہندی' کا جو مقام تھا اور ان کی جو عزیمت تھی' اسے علامہ اقبال نے خوب تعبیر کیا ہے۔

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیٔ احرار

سجدہ صرف اللہ کے لئے ہے۔ اسی طرح رکوع بھی اللہ کے لئے خاص ہے' اس کے خلاف عمل شرک فی العبادۃ میں شمار ہو گا۔

یہاں موقع کی مناسبت سے شرک کی چند موٹی موٹی اقسام ہی بیان کی جا سکی ہیں' لیکن ان سے اندازہ ہو گیا ہو گا کہ شرک کا مسئلہ کتنا ہمہ گیر ہے۔ ہر مسلمان کو شعوری طور پر شرک سے بچنے کی فکر کرنی چاہئے۔ اس کی تیر بہ ہدف تدبیر یہ ہے کہ اللہ کی ذات پر ہمارا یقین محکم ہو۔ ہمارا جتنا توکل اور اعتماد اللہ کی ذات اور اس کی ربوبیت پر بڑھے گا اتنا ہی ہم ان تمام چیزوں سے بچ سکیں گے۔ جیسے علامہ اقبال نے کہا ہے۔

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے!
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

اگر ہمیں التزامِ توحید اور اجتنابِ شرک کی سعادت نصیب ہو جائے تو یہ ہماری اخروی کامیابی اور فوز و فلاح کے لئے کفایت کرے گی۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○○

© rasailojaraid.